تا دیر رہا حُسن ملاقات کا جادو!

حافظ عبدالعزیز بٹ فاضل مدینہ یونیورسٹی

حضرت قاری رمضان صاحب رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال ان کے اہل وعیال اعزہ واقارب سے زیادہ اراکین جامعہ کیلئے دلدوز اور غم ناک ہے۔ قاری صاحب رحمہ اللہ نے عرصہ پینتالیس سال تدریسی سرگرمیاں سرانجام دیں قاری صاحب پہ لکھتے ہوئے بار بار یہ سوچا کہ کیا لکھا جائے۔ کیونکہ تین سالہ تدریسی عمل میں میں نے ان سے صرف ایک ملاقات کی اور وہی ایک ملاقات آخری ملاقات ٹھہری ایک جاننے والے کے بیٹے کو شعبہ حفظ میں داخل کرانے کے سلسلے میں قاری صاحب کے پاس جانا ہوا۔ قاری صاحب جس محبت اور چاہت سے اس فقیر سے پیش آئے ابھی تک وہ لمحات یاد آتے ہیں تو لبوں سے بے ساختہ قاری صاحب کیلئے دعائیں جاری ہو جاتی ہیں۔

میں دوزانو ہو کے قاری صاحب کے سامنے بیٹھا تو حضرت نے انتہائی محبت سے پیش آتے ہوئے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اپنی جگہ پر لا بٹھایا اور بچے کو نہ صرف داخل کر لیا بلکہ یہ کہا کہ بٹ صاحب کے عزیز ہیں ان سے داخلہ فیس نہیں لینی۔ پھر میرے ساتھ دیر تک یوں باتیں کرتے رہے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ جامعہ سلفیہ کے حوالے سے اپنی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے عرصہ پینتالیس سے یہاں تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہوں اور بتایا کہ مدیر محترم جناب چودھری یاسین ظفر صاحب اور شیخ الحدیث جناب بٹ صاحب ان کے تلامذہ میں سے ہیں پھر بتایا کہ عبداللہ گارڈن میں جاری مدرسہ نہ صرف ان کے زیر انتظام ہے بلکہ اس کی تعمیر وترقی میں بھی ان کا بہت حصہ ہے پھر بہت خلوص سے مجھے فرمایا کہ آپ نے ضرور ہمارے ادارے میں آنا ہے۔ان کی عدم موجودگی میں مجھے ایک جمعہ پڑھانے کا موقع تو ملا مگر پھر اس کے بعد حضرت سے دوبارہ تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی۔ ہاں جامعہ کی میٹنگ میں جب بھی ملاقات ہوئی حضرت قاری صاحب ہر بار خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملے۔

ایک ملاقات میں انسان کسی کے بارے میں حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا مگر یہ ایک ملاقات میرے دل میں یہ اثر چھوڑ گئی کہ قاری صاحب اچھے نہیں بلکہ بہت اچھے انسان اور احترام انسانیت کے جذبے سے معمور ہیں۔ بعدازاں جب قاری صاحب کی وفات کی اطلاع کے فوری بعد تعزیتی اجلاس میں اساتذہ جامعہ نے حضرت قاری صاحب کے متعلق جن اچھے خیالات کا اظہار کیا ان کو سن کر اس فقیر کے دل میں قاری صاحب کی عزت دو چند ہوگئی گو کہ حضرت کی رفاقت میسر نہ ہوئی مگر ان کی ذات گرامی کے متعلق جو کچھ سنا اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ

قاری صاحب ایک بے ضرر ہر ایک کے خیر خواہ' جامعہ کے محسن' انتہائی' ایماندار' دور اندیش معاملہ فہم اور ذمہ داری کو عبادت سمجھ کر نبھانے والے انسان تھے۔ اور ان جیسی صفات کے حاملین آج کے مادہ پرستی کے دور میں نایاب نہیں کمیاب ہیں۔ طبیعت میں عمل کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ عرصہ پنتالیس سال میں کسی سے شکر رنجی تک نہ ہوئی اور حضرت نے قول و فعل سے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی' ہر چھوٹے بڑے سے جھک کر ملنا آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ قاری صاحب کا مسکراتا چہرہ' پرنور پیشانی' روشن جبیں' گو کہ نظر سے اوجھل ہے مگر ان کا اخلاق' کردار اور حسن سیرت بول بول کے کہہ رہے ہیں۔

ابھی اس راہ سے کوئی گزرا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

آپ کی وفات سے جامعہ اک خیر خواہ سے تو محروم ہوا ہی وہیں جامعہ مسجد فردوس جہاں آپ نے چالیس برس سے زیادہ خطابت کے موتی بکھیرے لوگ آپ کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل وہاں جمعہ پڑھانے کا اتفاق ہوا تو دوسرے خطبے میں میں نے لوگوں سے درخواست کی قاری رمضان صاحب کیلئے مغفرت کی خصوصی دعا کریں تو دیکھا کہ لوگوں کی اکثریت کی آنکھوں میں حضرت کی یاد میں تارے جھلملا رہے ہیں۔ دعا کے بعد جو بھی ملا حضرت کے ذکر خیر سے روح و جاں کو معطر کر گیا۔

طلبہ سے آپ کی خصوصی محبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ہمیشہ ان کی سہولیات کے لیے کمر بستہ رہے اور ان کے آسائش و آرام کیلئے پیرانہ میں بھی دوڑ دھوپ کرتے تھے۔ اور احترام اس قدر کہ کبھی کسی طالب علم کو تم کہہ کر نہیں ہمیشہ آپ اور صاحب کہہ کر مخاطب کیا۔ مدیر جامعہ جناب چودھری یاسین ظفر صاحب نے اس بابت دریافت کیا تو فرمانے لگے۔ ہمارے تو یہ صاحب ہی ہیں اللہ اکبر! اب ایسے خیر خواہ استاذ کہاں جو طالب علم سے اس قدر والہانہ پیار کریں۔

مدارس میں طلبہ کی کمی کی وجہ سے ارباب مدارس کا رجحان اس طرف ہے کہ کسی نہ کسی طرح طلبہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ اور اس ضمن میں وہ ہر آنے والے طالب علم کو داخلہ دے دیتے ہیں مگر قاری صاحب کا نظریہ اس بارے میں جداگانہ ہی تھا۔ ایک جاننے والے بتاتے ہیں کہ وہ کسی بچے کو داخل کروانے کیلئے قاری صاحب کے پاس گئے۔ تو قاری صاحب نے بچے کو بلا کر پوچھا۔ بیٹا تم سے زبردستی تو نہیں کی گئی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر دل نہیں مانتا تو چلے جاؤ راقم چونکہ قاری صاحب کے شرف تلمذ و صحبت سے محروم رہا اس لئے ان کے متعلق زیادہ معلومات نہیں مگر ان کی کمی برابر محسوس ہوتی ہے۔ گویا!

جنگل میں کبھی ایسی ویرانی تو نہ تھی
اے کارواں ٹھہر جا کوئی ساتھی بچھڑ گیا